وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

تسہیل و نظر ثانی کے ساتھ جدید ایڈیشن

تفسیر احسن البیان (اردو)

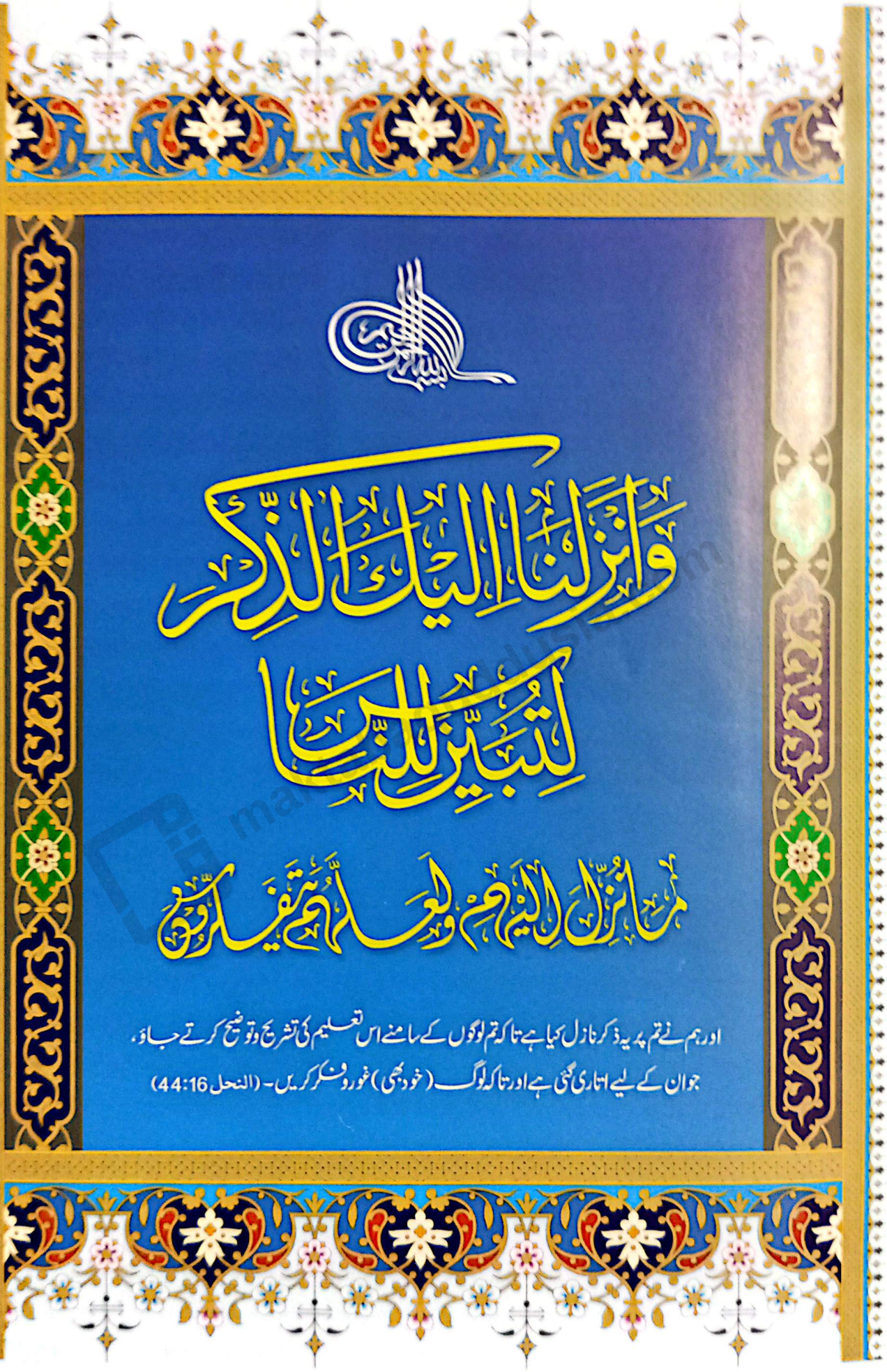
صحیح احادیث کی روشنی میں

تفسیر
حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ

نظر ثانی
مولانا صفی الرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ

DARUSSALAM

maktabaqadusia.com


بسم اللہ الرحمن الرحیم
وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ
لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ
مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ
اور ہم نے تم پر یہ ذکر نازل کیا ہے تا کہ تم لوگوں کے سامنے اس تعلیم کی تشریح و توضیح کرتے جاؤ،
جو ان کے لیے اتاری گئی ہے اور تا کہ لوگ (خود بھی) غور و فکر کریں۔ (النحل 16:44)



(1) سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ (5)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ①

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے ①

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ② الرَّحْمٰنِ

سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے ②

الرَّحِيْمِ ③ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ④

بڑا مہربان، بہت بخشش کرنے والا ③ بدلے کے دن (قیامت) کا مالک

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ⑤

ہے ④ ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ⑥ صِرَاطَ

چاہتے ہیں ⑤ ہمیں سیدھی (اور سچی) راہ دکھا ⑥ ان لوگوں کی راہ

الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ

جن پر تو نے انعام کیا ان لوگوں کی راہ جن پر نہ

الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ⑦

غضب کیا گیا اور نہ گمراہ ہیں ⑦

1 ﴿بِسْمِ اللّٰهِ﴾ کے متعلق اختلاف ہے کہ آیا یہ ہر سورت کی مستقل آیت ہے یا ہر سورت کی آیت کا حصہ ہے یا یہ صرف سورۂ فاتحہ کی ایک آیت ہے یا یہ کسی بھی سورت کی مستقل آیت نہیں ہے، اسے صرف دوسری سورت سے الگ کرنے کے لیے ہر سورت کے آغاز میں لکھا جاتا ہے۔ قرائے مکہ وکوفہ نے اسے سورۂ فاتحہ سمیت ہر سورت کی آیت قرار دیا ہے جبکہ قرائے مدینہ، بصرہ وشام نے اسے کسی بھی سورت کی آیت تسلیم نہیں کیا، سوائے سورۂ نمل کی آیت: 30 کے، کہ اس میں بالاتفاق بسم اللہ اس کا جز ہے۔ محققِ عصر شیخ احمد شاکر مصری رحمہ اللہ نے اپنا خلاصۂ تحقیق اس طرح بیان فرمایا ہے: ''قرآن میں جہاں بھی بسم اللہ لکھی ہوئی ہے، وہاں قرآنی آیت ہے، البتہ اس کا اس سورت کی آیت ہونا جس کے شروع میں وہ تحریر ہے یا اس کا مستقل آیت ہونا محلِ نظر ہے۔ میرے نزدیک راجح بات یہ ہے کہ سورۂ توبہ کے علاوہ یہ ہر سورت کی آیت ہے، اس لیے ہر شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر سورت پڑھنے سے پہلے بِسْمِ اللّٰهِ ضرور پڑھے، سوائے سورۂ توبہ کے، چاہے اسی سورت سے تلاوت کا آغاز کرے یا دورانِ تلاوت میں کوئی سورت آ جائے۔'' یعنی مسلسل تلاوت کی صورت میں جب بھی نئی سورت آئے تو اس کا آغاز بسم اللہ سے کیا جائے۔ (حاشیہ جامع الترمذي: 22/2، تحت حدیث: 246. طبع مصر) اسی طرح جہری نمازوں میں اس کے اونچی آواز سے پڑھنے میں بھی اختلاف ہے۔ بعض اونچی آواز سے پڑھنے کے قائل ہیں اور بعض آہستہ آواز سے۔ (فتح القدیر) اکثر علماء نے آہستہ آواز سے پڑھنے کو راجح قرار دیا ہے، تاہم اونچی آواز سے بھی پڑھنا جائز ہے۔

2 سورۂ فاتحہ قرآن مجید کی سب سے پہلی سورت ہے۔ احادیث میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ فاتحہ کے معنی آغاز اور ابتدا کے ہیں، اس لیے اسے اَلْفَاتِحَة، یعنی فَاتِحَةُ الْكِتَابِ کہا جاتا ہے۔ اس کے اور بھی کئی نام احادیث سے ثابت ہیں، مثلاً: أُمُّ الْقُرْآنِ، اَلسَّبْعُ الْمَثَانِي، اَلْقُرْآنُ الْعَظِيم، الرُّقْيَة (دم) جس طرح ایک صحابی نے ایک بچھو کے ڈسے ہوئے کو اس سے دم کیا تو اسے آرام آ گیا، نبی ﷺ نے فرمایا: ''تجھے کس طرح معلوم ہوا کہ یہ دم ہے؟'' (صحيح البخاري، حديث: 2276، و صحيح مسلم، حديث: 2201) وغيرها من الأسماء. اس کا ایک اہم نام الصلاۃ بھی ہے، جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: «قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِي وَ بَيْنَ عَبْدِي ...» (صحيح مسلم، حديث: 395) ''میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان تقسیم کر دیا ہے۔'' مراد سورۂ فاتحہ ہے جس کا نصف حصہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور اس کی رحمت وربوبیت اور عدل وبادشاہت کے بیان میں ہے اور نصف حصے میں دعا ومناجات ہے جو بندہ اللہ کی بارگاہ میں کرتا ہے۔ اس حدیث میں سورۂ فاتحہ

کو ''نماز'' کہا گیا ہے، جس سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں اس کا پڑھنا بہت ضروری ہے، چنانچہ نبی ﷺ کے ارشادات میں اس کی خوب وضاحت کر دی گئی ہے، فرمایا: «لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ» (صحيح البخاري، حديث: 756، و صحيح مسلم، حديث: 394) ''اس شخص کی کوئی نماز نہیں جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی۔'' اس حدیث میں (مَنْ) کا لفظ عام ہے جو ہر نمازی کو شامل ہے۔ منفرد ہو یا امام یا امام کے پیچھے مقتدی۔ سری نماز ہو یا جہری، فرض نماز ہو یا نفل۔ ہر نمازی کے لیے سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔ اس عموم کی مزید تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ نماز فجر میں بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی نبی ﷺ کے ساتھ قرآن کریم پڑھتے رہے جس کی وجہ سے آپ ﷺ پر قراءت دشوار ہو گئی، نماز ختم ہونے کے بعد جب آپ ﷺ نے پوچھا کہ تم بھی ساتھ پڑھتے رہے ہو؟ انھوں نے کہا: ہاں، تو نبی ﷺ نے فرمایا: «لَا تَفْعَلُوا إِلَّا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَإِنَّهُ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا» ''تم ایسا مت کیا کرو، یعنی مت پڑھا کرو البتہ سورۂ فاتحہ ضرور پڑھا کرو کیونکہ اس کے پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی۔'' (سنن أبي داود، حديث: 823، و جامع الترمذي، حديث: 311، و سنن النسائي، حديث: 921) اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «مَنْ صَلَّى صَلَاةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَهِيَ خِدَاجٌ - ثَلَاثًا غَيْرُ تَمَامٍ -» ''جس نے بغیر فاتحہ کے نماز پڑھی، وہ ناقص ہے، مکمل نہیں۔'' تین مرتبہ نبی ﷺ نے فرمایا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: «إِنَّا نَكُونُ وَرَاءَ الْإِمَامِ» ''امام کے پیچھے بھی ہم نماز پڑھتے ہیں، اس وقت کیا کریں؟'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «اِقْرَأْ بِهَا فِي نَفْسِكَ» ''امام کے پیچھے تم سورۂ فاتحہ اپنے جی میں پڑھو۔'' (صحيح مسلم، حديث: 395) مذکورہ دونوں حدیثوں سے واضح ہوا کہ قرآن مجید میں جو آتا ہے: ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (الأعراف 7:204) ''جب قرآن پڑھا جائے تو توجہ سے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔'' یا حدیث: «وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا» (بشرط صحت) ''جب امام قراءت کرے تو خاموش رہو'' کا مطلب یہ ہے کہ جہری نمازوں میں مقتدی سورۂ فاتحہ کے علاوہ باقی قراءت خاموشی سے سنیں۔ امام کے ساتھ قرآن نہ پڑھیں۔ یا امام سورۂ فاتحہ کی آیات وقفوں کے ساتھ پڑھے جو مسنون بھی ہے اور مقتدی ان وقفوں میں سورۂ فاتحہ پڑھے یا مقتدی سورۂ فاتحہ امام کی اس خاموشی (سکتے) میں پڑھے جو وہ سورۂ فاتحہ پڑھنے سے پہلے کرتا ہے یا قراءت کے اختتام پر۔ (صحیح روایات سے قراءت کے بعد سکتہ ثابت ہے۔) اس طرح آیتِ قرآن اور احادیث صحیحہ میں الحمد للہ کوئی ٹکراؤ نہیں رہتا۔ دونوں پر عمل ہو جاتا ہے۔ جب کہ سورۂ فاتحہ کی ممانعت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خاکم بدہن قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں ٹکراؤ ہے اور دونوں میں سے کسی ایک ہی پر عمل ہو سکتا ہے، بیک وقت دونوں پر عمل ممکن نہیں۔ فَنَعُوذُ بِاللهِ مِنْ هٰذَا (مزید دیکھیے سورۂ اعراف، آیت: 204 کا حاشیہ) [3] یہ سورت مکی ہے۔ مکی یا مدنی کا مطلب یہ ہے کہ جو سورتیں ہجرت (13 نبوت) سے پہلے نازل ہوئیں وہ مکی ہیں، خواہ ان کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا یا اس کے اطراف و جوانب میں اور مدنی وہ سورتیں ہیں جو ہجرت کے بعد نازل ہوئیں، خواہ مدینہ یا اس کے اطراف میں نازل ہوئیں یا اس سے دور، حتیٰ کہ مکہ اور اس کے اطراف ہی میں کیوں نہ نازل ہوئی ہوں۔ [4] ﴿بِسْمِ اللهِ﴾ کے آغاز میں أَقْرَأُ، أَبْدَأُ یا أَتْلُو محذوف ہے، یعنی اللہ کے نام سے پڑھتا یا شروع کرتا یا تلاوت کرتا ہوں۔ شریعت میں بہت سے اہم کاموں کے شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے، چنانچہ حکم دیا گیا ہے کہ کھانے، ذبح، وضو اور جماع سے پہلے بسم اللہ پڑھو، تاہم قرآن کریم کی تلاوت کے وقت بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ سے پہلے أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ پڑھنا بھی ضروری ہے۔ ﴿فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ ○﴾ (النحل 16:98) ''جب تم قرآن کریم پڑھنے لگو تو شیطان مردود (کے شر) سے اللہ کی پناہ مانگو۔'' [5] ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ میں ال، استغراق کا ہے، یعنی تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں کیونکہ تعریف کا اصل حق دار صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ کسی کے اندر کوئی خوبی، حسن یا کمال ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے، اس لیے حمد (تعریف) کا مستحق بھی وہی ہے۔ ﴿لِلّٰهِ﴾ میں لام اختصاص کا ہے، یعنی تمام تعریفیں اللہ ہی کے ساتھ خاص ہیں۔ اللہ یہ اللہ کا ذاتی نام ہے، اس کا استعمال کسی اور کے لیے جائز نہیں۔ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ یہ کلمۂ شکر ہے جس کی احادیث میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ ایک حدیث میں لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ کو سب سے افضل ذکر اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کو سب سے افضل دعا کہا گیا ہے۔ (جامع الترمذي، حديث: 3383) صحیح مسلم کی روایت میں ہے: «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَأُ الْمِيزَانَ» (صحيح مسلم، حديث: 223) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ میزان کو بھر دیتا ہے۔'' اسی لیے ایک اور حدیث میں آتا ہے: ''اللہ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ ہر کھانے اور پینے پر بندہ اللہ کی حمد کرے۔'' (صحيح مسلم، حديث: 2734) «إِنَّ اللهَ يَرْضَى عَنِ الْعَبْدِ أَنْ يَأْكُلَ الْأَكْلَةَ فَيَحْمَدَهُ عَلَيْهَا أَوْ يَشْرَبَ الشَّرْبَةَ فَيَحْمَدَهُ عَلَيْهَا» [6] ﴿رَبِّ﴾ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے، جس کے معنی ہیں: ہر چیز کو پیدا کر کے اس کی ضروریات مہیا کرنے اور اسے تکمیل تک

پہنچانے والا۔ اس کا استعمال بغیر اضافت کے اللہ کے سوا کسی اور کے لیے جائز نہیں۔ ﴿الْعٰلَمِيْنَ﴾ عَالَمٌ (جہان) کی جمع ہے۔ ویسے تو تمام مخلوقات کے مجموعے کو عالَم کہا جاتا ہے، اسی لیے اس کی جمع نہیں لائی جاتی۔ لیکن یہاں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کاملہ کے اظہار کے لیے عالم کی بھی جمع لائی گئی ہے، جس سے مراد مخلوقات کی الگ الگ جنسیں ہیں، مثلاً: عالَمِ جن، عالَمِ انس، عالَمِ ملائکہ اور عالَمِ حیوانات وغیرہ۔ ان تمام مخلوقات کی ضرورتیں ایک دوسرے سے قطعاً مختلف ہیں لیکن رَبُّ الْعَالَمِين سب کی ضروریات، ان کے احوال و مقامات، طبیعتوں اور جسموں کے مطابق مہیا فرماتا ہے۔ [7] ﴿الرَّحْمٰنِ﴾ بروزن فَعْلان اور ﴿الرَّحِيْمِ﴾ بروزن فَعِيلٌ ہے۔ دونوں صفت کے صیغے ہیں، جن میں مبالغہ موجود ہے، یعنی اُن میں کثرت اور ہمیشگی کا مفہوم پایا جاتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ بہت رحم کرنے والا ہے اور اس کی یہ صفت دیگر صفات کی طرح دائمی ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں: رحمٰن میں رحیم کی نسبت زیادہ مبالغہ ہے، اسی لیے يَا رَحْمٰنَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ کہا جاتا ہے۔ دنیا میں اس کی رحمت عام ہے جس سے بلا تخصیص کافر و مومن سب فائدہ اٹھا رہے ہیں اور آخرت میں وہ صرف رحیم ہوگا، یعنی اس کی رحمت صرف مومنین کے لیے خاص ہوگی۔ ﴿فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ (الأعراف 156:7) ''میں وہ (رحمت) ان لوگوں کے لیے ضرور لکھوں گا جو اللہ سے ڈرتے ہیں، زکاۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔'' اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ! [8] دنیا میں بھی اگرچہ مکافاتِ عمل کا سلسلہ ایک حد تک جاری رہتا ہے، تاہم اس کا مکمل ظہور آخرت میں ہوگا اور اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے اچھے یا برے اعمال کے مطابق مکمل جزا اور سزا دے گا۔ اسی طرح دنیا میں عارضی طور پر اور بھی کئی لوگوں کے پاس تحت الاسباب اختیارات ہوتے ہیں لیکن آخرت میں تمام اختیارات کا مالک صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس روز فرمائے گا: ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ﴾ ''آج کس کی بادشاہی ہے؟'' پھر وہی جواب دے گا: ﴿لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ (المؤمن 16:40) ''صرف ایک غالب اللہ کی۔'' ﴿يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ۭ وَالْاَمْرُ يَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ﴾ (الانفطار 19:82) ''اس دن کوئی ہستی کسی کے لیے اختیار نہیں رکھے گی، سارا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہوگا۔'' یہ ہوگا جزا کا دن۔ [9] عبادت کے معنی ہیں: کسی کی رضا کے لیے انتہائی عجز و انکسار اور کمال خشوع کا اظہار۔ اور بقول ابن کثیر ''شریعت میں کمال محبت، خضوع اور خوف کے مجموعے کا نام عبادت ہے۔'' یعنی جس ذات کے ساتھ محبت بھی ہو، اس کی مافوق الاسباب طاقت کے سامنے عاجزی و بے بسی کا اظہار بھی ہو اور اسباب و مافوق الاسباب ذرائع سے اس کی پکڑ کا خوف بھی۔ سیدھی عبارت نَعْبُدُكَ وَنَسْتَعِيْنُكَ ''ہم تیری عبادت کرتے اور تجھ سے مدد چاہتے ہیں'' ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ نے یہاں مفعول بہ [ضمیر] کو فعل پر مقدم کر کے ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ فرمایا، جس سے مقصد اختصاص پیدا کرنا ہے، یعنی ''ہم تیری ہی عبادت کرتے اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔'' اس اعتبار سے نہ عبادت اللہ کے سوا کسی اور کی جائز ہے نہ مدد طلب کرنا ہی۔ ان الفاظ سے شرک کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے لیکن جن کے دلوں میں شرک کا روگ راہ پا گیا ہے، وہ مافوق الاسباب (اسباب کے بغیر) اور ماتحت الاسباب (اسباب کے ساتھ) مدد طلب کرنے میں فرق کو نظر انداز کر کے عوام کو مغالطے میں ڈالتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو ہم بیمار ہو جاتے ہیں تو ڈاکٹر سے مدد حاصل کرتے ہیں، بیوی سے مدد چاہتے ہیں، ڈرائیور اور دیگر انسانوں سے مدد کے طالب ہوتے ہیں۔ اس طرح وہ یہ یقین دلاتے ہیں کہ اللہ کے سوا اوروں سے مدد مانگنا بھی جائز ہے، حالانکہ اسباب کے تحت ایک دوسرے سے مدد چاہنا اور مدد کرنا یہ شرک نہیں، یہ تو اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا نظام ہے، جس میں سارے کام ظاہری اسباب کے مطابق ہی ہوتے ہیں، حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام بھی انسانوں کی مدد حاصل کرتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ﴾ (الصف 14:61) ''اللہ کے (دین کے) لیے کون میرا مددگار ہے؟'' اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو فرمایا: ﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى﴾ (المآئدۃ 2:5) ''نیکی اور تقویٰ کے کاموں پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔'' ظاہر بات ہے کہ یہ تعاون ممنوع ہے نہ شرک بلکہ پسندیدہ اور مطلوب ہے۔ اس کا اصطلاحی شرک سے کیا تعلق؟ شرک تو یہ ہے کہ ایسے شخص سے مدد طلب کی جائے جو ظاہری اسباب کے لحاظ سے مدد نہ کر سکتا ہو، جیسے کسی فوت ہو جانے والے شخص کو مدد کے لیے پکارنا، اسے مشکل کشا اور حاجت روا سمجھنا، اسے نفع و نقصان پر قادر سمجھنا اور دور و نزدیک سے ہر ایک کی فریاد سننے کی صلاحیت سے بہرہ ور تسلیم کرنا۔ اس کا نام ہے مافوق الاسباب طریقے سے مدد طلب کرنا اور اسے خدائی صفات سے متصف ماننا۔ اسی کا نام شرک ہے جو بدقسمتی سے محبتِ اولیاء کے نام پر مسلمان ملکوں میں عام ہے۔

توحید کی تین قسمیں: اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ توحید کی تین اہم قسمیں بھی مختصراً بیان کر دی جائیں۔ یہ قسمیں ہیں: ① توحید ربوبیت ② توحید الوہیت ③ توحید اسماء و صفات۔ ان کی مختصر وضاحت ملاحظہ فرمائیں:

① توحید ربوبیت کا مطلب ہے کہ اس کائنات کا خالق، مالک، رازق اور مدبر صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس توحید کو ملحدوں اور زندیقوں کے علاوہ تمام لوگ



(2) سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ [1] (87)

الٓمّٓ ﴿1﴾ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ

الٓمّٓ ① [2] اس کتاب کے اللہ کی کتاب ہونے میں کوئی

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿2﴾ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ

شک نہیں، [3] پرہیزگاروں کو راہ دکھانے والی ہے ② [4] جو لوگ

بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا

غیب پر ایمان لاتے ہیں [5] اور نماز کو قائم رکھتے ہیں [6] اور

رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿3﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ

ہمارے دیے ہوئے مال میں سے خرچ کرتے ہیں ③ [7] اور جو

بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ

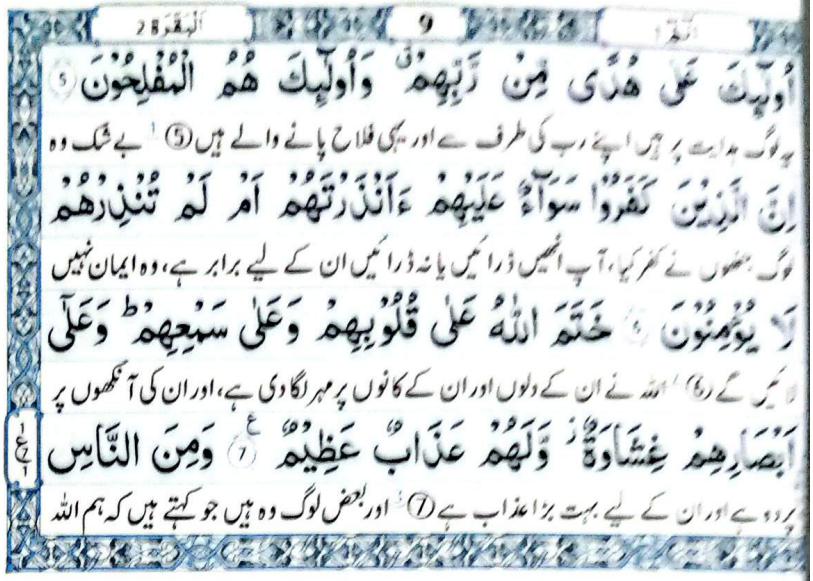
لوگ ایمان لاتے ہیں اس پر جو آپ کی طرف اتارا گیا اور جو آپ

قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿4﴾

سے پہلے اتارا گیا [8] اور وہ آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں ④

وہ دنیا میں ذلیل و رسوا ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسے ضلالت کے گڑھے سے نکالے تاکہ پستی و بدحالی کے بڑھتے ہوئے سائے سے وہ محفوظ رہ سکے۔ سورۂ فاتحہ کے آخر میں آمین کہنے کی نبی ﷺ نے بڑی تاکید اور فضیلت بیان فرمائی ہے، اس لیے امام اور مقتدی ہر ایک کو آمین کہنی چاہیے۔ نبی ﷺ (جہری نمازوں میں) اونچی آواز سے آمین کہا کرتے تھے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی، حتیٰ کہ مسجد گونج اٹھتی۔ اس مسئلے کے لیے دیکھیے: صحيح البخاري، حديث: 780-782، وسنن ابن ماجه، حديث: 853، وسنن أبي داود، حديث: 934، و مصنف عبد الرزاق: 97/2. لہٰذا آمین اونچی آواز سے کہنا سنت اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول رہا ہے۔ آمین کے معنی مختلف بیان کیے گئے ہیں: كَذٰلِكَ فَلْيَكُنْ ''اسی طرح ہو۔'' لَا تُخَيِّبْ رَجَاءَنَا ''ہمیں نامراد نہ کرنا۔'' اَللّٰهُمَّ اسْتَجِبْ لَنَا ''اے اللہ! ہماری دعا قبول فرما لے۔''

[1] اس سورت میں آگے چل کر گائے کا واقعہ بیان ہوا، اس لیے اسے سورۂ بقرہ (گائے کے واقعے والی سورت) کہا جاتا ہے۔ حدیث میں اس کی ایک خاص فضیلت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ جس گھر میں یہ پڑھی جائے، اس گھر سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ فرمایا: «لَا تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ مَقَابِرَ، إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْفِرُ مِنَ الْبَيْتِ الَّذِي تُقْرَأُ فِيهِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ» (صحيح مسلم، حديث: 780) نزول کے اعتبار سے یہ مدنی دور کی ابتدائی سورتوں میں سے ہے، البتہ اس کی بعض آیات حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئیں۔ بعض علماء کے نزدیک اس میں ایک ہزار خبر، ایک ہزار احکام اور ایک ہزار منہیات ہیں۔ (ابن كثير) منہیات کا مطلب ہے، حرام اور ممنوع چیزیں۔ [2] انھیں حروفِ مُقَطَّعَات کہا جاتا ہے، یعنی علیحدہ علیحدہ پڑھے جانے والے حروف۔ ان کے معنی کے بارے میں کوئی مستند روایت نہیں ہے، لہٰذا یہ متشابہات میں سے ہیں۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمُرَادِهِ. البتہ نبی ﷺ نے یہ ضرور فرمایا ہے کہ جس نے اللہ کی کتاب میں سے ایک حرف پڑھا، اسے اس کے بدلے میں ایک نیکی ملے گی اور ایک نیکی کا اجر دس گنا ہے، میں نہیں کہتا کہ الٓمّٓ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف، لام ایک حرف اور میم ایک حرف ہے۔ (جامع الترمذي، حديث: 2910) [3] اس کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے میں کوئی شبہ نہیں جیسا کہ دوسرے مقام پر ہے: ﴿تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (السجدة 32:2) بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ خبر نہی کے معنی میں ہے، أَيْ لَا تَرْتَابُوا فِيهِ (اس میں شک نہ کرو)۔ اس کے علاوہ اس میں جو واقعات بیان کیے گئے ہیں، ان کی صداقت میں، جو احکام و مسائل بیان کیے گئے ہیں، ان سے انسانیت کی فلاح و نجات وابستہ ہونے میں اور جو عقائد (توحید، رسالت اور قیامت کے بارے میں) بیان کیے گئے ہیں، ان کے برحق ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔



أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٥﴾
یہ لوگ ہدایت پر ہیں اپنے رب کی طرف سے اور یہی فلاح پانے والے ہیں ﴿٥﴾ بے شک وہ
إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ
لوگ جنھوں نے کفر کیا، آپ انھیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں ان کے لیے برابر ہے، وہ ایمان نہیں
لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٦﴾ خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ ۖ وَعَلَىٰ
لائیں گے ﴿٦﴾ اللہ نے ان کے دلوں اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے، اور ان کی آنکھوں پر
أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٧﴾ وَمِنَ النَّاسِ
پردہ ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے ﴿٧﴾ اور بعض لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ

آنکھ والا تری قدرت کا تماشہ دیکھے
دیدۂ کور کو کیا آئے نظر، کیا دیکھے

[4] ویسے تو یہ کتاب الٰہی تمام انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے نازل ہوئی ہے۔ لیکن اس چشمۂ فیض سے سیراب صرف وہی لوگ ہوں گے، جو آبِ حیات کے متلاشی اور خوفِ الٰہی سے سرشار ہوں گے۔ جس کے دل میں مرنے کے بعد اللہ کی بارگاہ میں کھڑے ہو کر جواب دہی کا احساس اور اس کی فکر ہی نہیں، اس کے اندر ہدایت کی طلب یا گمراہی سے بچنے کا جذبہ ہی نہیں ہوگا تو اسے ہدایت کہاں سے اور کیوں کر حاصل ہو سکتی ہے؟ [5] غیبی امور سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کا ادراک عقل و حواس سے ممکن نہیں، جیسے ذاتِ باری تعالیٰ، وحیٔ الٰہی، جنت، دوزخ، فرشتے، عذابِ قبر اور تمام انسانوں کا دوبارہ زندہ ہو کر میدانِ محشر میں جمع ہونا وغیرہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بتلائی ہوئی ماورائے عقل و احساس باتوں پر یقین رکھنا، جزوِ ایمان ہے اور ان کا انکار کفر و ضلالت ہے۔ [6] اقامتِ صلاۃ سے مراد پابندی سے اور سنت نبوی کے مطابق نماز کا اہتمام کرنا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے سورۂ عنکبوت 45:29 کا حاشیہ) [7] إِنفَاق کا لفظ عام ہے جو فرض اور نفل دونوں طرح کے صدقات کو شامل ہے۔ اہلِ ایمان حسبِ استطاعت دونوں میں کوتاہی نہیں کرتے۔ ماں باپ اور اہل و عیال پر صحیح طریقے سے خرچ کرنا بھی اس میں داخل اور باعثِ اجر و ثواب ہے۔ [8] پچھلی کتابوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ جو کتابیں انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئیں، وہ سب سچی ہیں لیکن وہ اب اپنی اصل شکل میں دنیا میں پائی نہیں جاتیں، نیز اب ان پر عمل بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اب عمل صرف قرآن اور اس کی تشریح نبوی (حدیث) ہی پر کیا جائے گا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وحی و رسالت کا سلسلہ رسول اللہ ﷺ پر ختم کر دیا گیا ہے، ورنہ آپ ﷺ کے بعد اگر وحی نازل ہونے والی ہوتی تو اس پر بھی ایمان لانے کا ذکر اللہ تعالیٰ ضرور فرماتا۔ مسئلہ ختم نبوت کی مزید وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو: سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر 40 کا حاشیہ۔

[1] یہ ان اہلِ ایمان کا انجام بیان کیا گیا ہے جو ایمان لانے کے بعد تقویٰ و عمل اور صحیح عقیدے کا اہتمام کرتے ہیں، محض زبان سے اظہارِ ایمان کو کافی نہیں سمجھتے۔ کامیابی سے مراد آخرت میں رضائے الٰہی اور اس کی رحمت و مغفرت کا حصول ہے۔ اس کے ساتھ دنیا میں بھی خوش حالی اور سعادت و کامرانی مل جائے تو سبحان اللہ، ورنہ اصل کامیابی آخرت ہی کی کامیابی ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ دوسرے گروہ کا تذکرہ فرما رہا ہے جو صرف کافر ہی نہیں بلکہ اس کا کفر و عناد اس انتہا تک پہنچا ہوا ہے جس کے بعد اس سے خیر اور قبولِ اسلام کی توقع ہی نہیں۔

[2] نبی ﷺ کی شدید خواہش تھی کہ سب مسلمان ہو جائیں اور اسی حساب سے آپ کوشش فرماتے لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایمان ان کے نصیب ہی میں نہیں۔ یہ وہ چند مخصوص لوگ ہیں جن کے دلوں پر مہر لگ چکی تھی (جیسے ابوجہل اور ابولہب وغیرہ) ورنہ آپ کی دعوت و تبلیغ سے بے شمار لوگ مسلمان ہوئے، حتی کہ پورا جزیرۂ عرب مسلمان ہو گیا۔ [3] یہ ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ بیان کی گئی ہے کہ چونکہ مسلسل کفر اور نافرمانی کرنے کی وجہ سے ان کے دلوں سے قبولِ حق کی صلاحیت ختم ہو چکی ہے، ان کے کان حق بات سننے کے لیے آمادہ نہیں اور ان کی نگاہیں کائنات میں پھیلی ہوئی رب کی نشانیاں دیکھنے سے محروم ہیں تو اب وہ ایمان کس طرح لا سکتے ہیں؟ ایمان تو انھی لوگوں کے حصے میں آتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی صلاحیتوں کا صحیح استعمال کرتے اور ان سے معرفتِ الٰہی حاصل کرتے ہیں۔ اس کے برعکس لوگ تو اس حدیث کا مصداق ہیں جس میں بیان کیا گیا ہے کہ ''بندہ جب گناہ کر بیٹھتا ہے تو اس کے دل میں سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے، اگر وہ توبہ کر کے گناہ سے باز آ جاتا ہے تو اس کا دل پہلے کی طرح صاف شفاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ توبہ کی بجائے گناہ پر گناہ کرتا جاتا ہے تو وہ سیاہ نقطہ پھیل کر اس کے پورے دل پر چھا جاتا ہے۔'' نبی ﷺ نے فرمایا: ''یہی وہ زنگ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے: ﴿ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴾ (المطففین 14:83) یعنی ''ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ان کے دلوں پر

مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۘ ﴿8﴾
پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے، حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں ﴿8﴾ [1] وہ اللہ کو اور ان لوگوں کو

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ
دھوکا دیتے ہیں جو ایمان لائے مگر وہ اپنے آپ کے سوا کسی کو دھوکا نہیں دیتے اور وہ شعور نہیں

وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۭ ﴿9﴾ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ
رکھتے ﴿9﴾ ان کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے، پس اللہ نے ان کی بیماری بڑھا دی [2] اور ان

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿10﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ
کے لیے دردناک عذاب ہے اس بنا پر کہ وہ جھوٹ بولتے تھے ﴿10﴾ اور جب ان سے کہا جاتا

لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ﴿11﴾
ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں ﴿11﴾ سن لو!

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿12﴾ وَاِذَا
بے شک وہی فساد کرنے والے ہیں [3] لیکن وہ شعور نہیں رکھتے ﴿12﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے

قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ
کہ ایمان لاؤ جیسے اور لوگ ایمان لائے ہیں تو وہ کہتے ہیں: کیا ہم ایمان لائیں جیسے بیوقوف

السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿13﴾
ایمان لائے ہیں؟ [4] سن لو! بے شک وہی بیوقوف ہیں لیکن وہ نہیں جانتے ﴿13﴾ [5] اور جب وہ ان

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا
سے ملتے ہیں جو ایمان لائے تو کہتے ہیں: ہم ایمان لے آئے اور جب وہ اپنے شیطانوں کے

اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ
پاس تنہا ہوتے ہیں [6] تو کہتے ہیں: یقیناً ہم تمھارے ساتھ ہیں، ان لوگوں سے تو ہم صرف مذاق

زنگ چڑھ گیا ہے۔" (جامع الترمذي، حديث: 3334)
اسی کیفیت کو قرآن نے "ختم" (مہر لگانے) سے تعبیر فرمایا ہے، جو ان کی مسلسل بداعمالیوں کا منطقی نتیجہ ہے۔ اسی کو بعض جگہ ﴿بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ﴾ کے الفاظ میں ذکر کیا ہے (النسآء 4:155) "اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان (کے دلوں) پر مہر لگا دی۔"

[1] یہاں سے تیسرے گروہ منافقین کا تذکرہ شروع ہوتا ہے جن کے دل تو ایمان سے محروم تھے مگر وہ اہلِ ایمان کو فریب دینے کے لیے زبان سے ایمان کا اظہار کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ نہ اللہ کو دھوکا دینے میں کامیاب ہو سکتے ہیں، کیونکہ وہ تو سب کچھ جانتا ہے اور نہ اہلِ ایمان کو مستقل فریب میں رکھ سکتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے سے مسلمانوں کو ان کی فریب کاریوں سے آگاہ فرما دیتا تھا۔ یوں اس فریب کاری کا سارا نقصان خود انھی کو پہنچا کہ انھوں نے اپنی عاقبت برباد کر لی اور دنیا میں بھی رسوا ہوئے۔ [2] بیماری سے مراد وہی کفر و نفاق کی بیماری ہے، جس کی اصلاح کی فکر نہ کی جائے تو بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ اسی طرح جھوٹ بولنا منافقین کی علامات میں سے ہے، جس سے بچنا ضروری ہے۔ [3] فساد، صلاح کی ضد ہے۔ کفر و معصیت سے زمین میں فساد پھیلتا ہے اور اطاعتِ الٰہی سے امن و سکون ملتا ہے۔ ہر دور کے منافقین کا کردار یہی رہا ہے کہ پھیلاتے وہ فساد ہیں، اشاعت وہ منکرات کی کرتے ہیں اور پامال حدودِ الٰہی کو کرتے ہیں اور سمجھتے یا دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ وہ اصلاح و ترقی کے لیے کوشاں ہیں۔ [4] ان منافقین نے ان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو "بے وقوف" کہا جنھوں نے اللہ کی راہ میں جان و مال کی کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کیا اور آج کے منافقین یہ بتاتے ہیں کہ نعوذ باللہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم دولتِ ایمان ہی سے محروم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جدید و قدیم دونوں منافقین کی تردید فرمائی جس سے یہ واضح ہوا کہ کسی اعلیٰ تر مقصد کے لیے دنیوی مفادات قربان کر دینا بے وقوفی نہیں، عین عقل مندی اور سعادت ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اسی سعادت مندی کا ثبوت مہیا کیا ہے، اس لیے وہ پکے مومن ہی نہیں بلکہ ایمان کے لیے ایک معیار اور کسوٹی ہیں، اب ایمان انھی کا معتبر ہوگا جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہی کی طرح ایمان لائیں گے۔ ﴿فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا﴾ (البقرة 2:137) "اگر لوگ اسی طرح ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے تو یقیناً وہ ہدایت پا گئے۔" [5] ظاہر بات ہے کہ فوری فائدے کے لیے دیر سے ملنے والے فائدے کو نظر انداز کر دینا اور آخرت کی پائدار اور دائمی زندگی کے مقابلے میں دنیا کی فانی زندگی کو ترجیح دینا اور اللہ کی بجائے لوگوں سے ڈرنا پرلے درجے کی بے وقوفی ہے جس کا ارتکاب ان منافقین نے کیا۔ یوں ایک مسلمہ حقیقت سے بے علم رہے۔ [6] شیاطین سے مراد سردارانِ قریش و یہود ہیں جن کے اشارے پر وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے تھے، یا منافقین کے اپنے سردار۔

CamScanner

مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿14﴾ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ

کرتے ہیں ﴿14﴾ اللہ بھی ان سے مذاق کرتا ہے[1] اور انھیں ان کی سرکشی میں ڈھیل دیتا ہے، وہ (اس

طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿15﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ

میں) بھٹکتے پھرتے ہیں ﴿15﴾ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے گمراہی خرید لی ہدایت کے بدلے تو ان

بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿16﴾ مَثَلُهُمْ

کی تجارت نے انھیں کوئی نفع نہ دیا[2] اور (اس میں) وہ ہدایت یافتہ نہ ہوئے ﴿16﴾ ان کی مثال

كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ

اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی، پھر جب اس (آگ) نے اس کے اردگرد کو روشن کر دیا

اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ﴿17﴾

تو اللہ ان کی روشنی لے گیا اور انھیں اندھیروں میں چھوڑ دیا، پس وہ دیکھ نہیں پاتے ﴿17﴾ (وہ) بہرے

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿18﴾ اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ

ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، پس وہ (سیدھے راستے کی طرف) نہیں لوٹیں گے ﴿18﴾ یا (ان کی

السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ

مثال) زوردار بارش کی سی ہے جو آسمان سے (آتی) ہے، اس میں اندھیرے، گرج اور بجلی ہوتی

فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۭ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ

ہے، وہ بجلی کے کڑکے سن کر موت کے ڈر سے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیتے ہیں۔

بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿19﴾ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ۭ كُلَّمَآ

اور اللہ کافروں کو گھیرنے والا ہے ﴿19﴾ قریب ہے کہ بجلی اُچک لے جائے ان کی آنکھیں۔

اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ۙ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ۭ وَلَوْ

جب بجلی ان پر چمکتی ہے تو وہ اس (کی روشنی) میں چلنے لگتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا ہوتا

شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ

ہے تو ٹھہر جاتے ہیں۔[4] اور اگر اللہ چاہے تو ان کے کان اور ان کی آنکھیں چھین لے،[5] یقیناً

---

[1] ''اللہ بھی ان سے مذاق کرتا ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ جس طرح مسلمانوں کے ساتھ استہزا (مذاق) کا معاملہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ بھی، جس طرح اس کی شان کے لائق ہے، ان سے استہزا کرتا ہے۔ (تفسیر الطبري: 154/1) اور نتیجتاً ذلت و رسوائی میں مبتلا کرتا ہے۔ جس کی ایک مثال سورۂ حدید کی آیت: 13 ﴿يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ۚ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ۭ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ۝﴾ میں مذکور ہے۔

[2] تجارت سے مراد ہدایت چھوڑ کر گمراہی اختیار کرنا ہے جو سراسر گھاٹے کا سودا ہے۔ منافقین نے نفاق کا جامہ پہن کر یہی گھاٹے والی تجارت کی، لیکن یہ گھاٹا آخرت کا گھاٹا ہے، ضروری نہیں کہ دنیا ہی میں انھیں اس گھاٹے کا علم ہو جائے، بلکہ دنیا میں تو اس نفاق کے ذریعے سے انھیں جو فوری فائدے حاصل ہوتے تھے، اس پر وہ بڑے خوش ہوتے اور اس کی بنیاد پر اپنے آپ کو بہت دانا اور مسلمانوں کو عقل و فہم سے عاری سمجھتے تھے۔ [3] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو کچھ لوگ مسلمان ہو گئے لیکن پھر جلد ہی منافق ہو گئے۔ ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اندھیرے میں تھا، اس نے روشنی جلائی جس سے اس کا ماحول روشن ہو گیا اور مفید اور نقصان دہ چیزیں اس پر واضح ہو گئیں، اچانک وہ روشنی بجھ گئی اور وہ حسب سابق اندھیروں میں گھر گیا۔ یہی حال منافقین کا تھا۔ پہلے وہ شرک کے اندھیرے میں تھے، مسلمان ہوئے تو روشنی میں آ گئے۔ حلال و حرام اور خیر و شر کو پہچان گئے، پھر وہ دوبارہ کفر و نفاق کی طرف لوٹ گئے تو ساری روشنی جاتی رہی۔ (فتح القدیر) [4] یہ منافقین کے ایک دوسرے گروہ کا ذکر ہے جس پر کبھی حق واضح ہوتا ہے اور کبھی اس کے متعلق وہ شک و شبہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ پس ان کے دل شک اور تردد میں اس بارش کی طرح ہیں جو اندھیروں (شکوک، کفر اور نفاق) میں اترتی ہے، گرج چمک سے ان کے دل ڈر جاتے ہیں، حتیٰ کہ خوف کے مارے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیتے ہیں۔ لیکن یہ تدبیریں اور یہ خوف و دہشت انھیں اللہ کی پکڑ سے نہیں بچا سکے گا کیونکہ وہ اللہ کے گھیرے سے نہیں نکل سکتے۔ کبھی حق کی کرنیں ان پر پڑتی ہیں تو حق کی طرف جھک پڑتے ہیں لیکن پھر جب اسلام یا مسلمانوں پر مشکلات کا دور آتا ہے تو پھر حیران و سرگرداں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ (ابن کثیر) منافقین کا یہ گروہ آخر وقت تک تذبذب اور گومگو کا شکار اور قبولِ حق (اسلام) سے محروم رہتا ہے۔ [5] اس میں اس امر کی تنبیہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو وہ اپنی دی ہوئی صلاحیتیں چھین لے، اس لیے انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے گریزاں اور اس کے عذاب اور مؤاخذے سے کبھی بے خوف نہیں ہونا چاہیے۔